نشری تقریر

ڈاکٹر اسرار احمد

الحمد للہ رب العلمین

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" ○

قرآن حکیم کی پہلی سورت سورۃ الفاتحہ ہے اور اُس کی پہلی آیت وہ ہے جو ابھی تلاوت کی گئی اور اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ پورے قرآن کے فلسفہ وحکمت کا خلاصہ ولُبِّ لُباب سورۃ الفاتحہ میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے 'اُمّ القرآن' بھی کہا گیا اور 'اساس القرآن' بھی اور 'الکافیہ' سے بھی موسوم کیا گیا اور 'الشافیہ' سے بھی۔ ویسے اس میں بھی ہرگز کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ سورۃ الفاتحہ کے مضامین کی جڑ اور بنیاد ـــــ گویا قرآن حکیم کے فلسفہ وحکمت کی اصل اساس ـــــ اُس کی پہلی آیت ہے۔

اس آیۂ مبارکہ کی عظمت اور قرآن کے فلسفہ وحکمت کے اعتبار سے اس کے مقام ومرتبہ کو پہچاننے کی کوشش کرنے سے پہلے اُس کے الفاظ کے معانی پر غور کر لینا چاہیے۔ 'الحمد' کے آغاز میں الف لام، لامِ استغراق یا لامِ جنس ہے۔ گویا 'الحمد' کے معنی ہوئے کُل کی کُل حمد یا حمد کی جملہ انواع واقسام!

حمد کا ترجمہ عام طور پر 'تعریف' کر دیا جاتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سے اُس کا پورا مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ اصل میں 'حمد' مجموعہ ہے 'شکر' اور 'تعریف' دونوں کا۔ بلکہ اس کا اصل بنیادی مفہوم 'شکر' ہے 'تعریف' کا مفہوم اس میں اضافی طور پر شامل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اور حدیثِ نبویؐ میں جو دعائیں شکر کے مواقع پر آتی ہیں اُن سب کا آغاز لفظِ 'حمد' سے ہوتا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق علیہما السلام ایسی اولاد عطا فرمائی

© rasailojaraid.c

تو اُن کے قلب سے شکرِ خداوندی کا جو چشمہ پھوٹا، وہ اُن کی زبان پر اس ترانۂ حمد کی شکل میں جاری ہوا کہ: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ط اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ" (یعنی کل شکر و سپاس اور تمام تعریف و ثناء کا مستحق ہے وہ اللہ جس نے مجھے بڑھاپے اور ضعیفی کے باوجود اسمٰعیل اور اسحٰق عطا فرمائے۔ یقیناً میرا ربّ دُعا کا سُننے والا ہے!)

اسی طرح ادعیۂ ماثورہ میں سے مثلاً وہ دُعا جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانے سے فراغت کے بعد مانگا کرتے تھے، اُس کے الفاظ یہ ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ (یعنی شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مسلمانوں میں سے بنایا!) البتہ شکر کوئی کرتا ہے کسی منعم و محسن کے اُس وصف پر جس سے خود شکر کرنے والے کی ذات کو کوئی فائدہ پہنچا ہو یا فیض حاصل ہوا ہو۔ جبکہ تعریف کسی صاحبِ جمال و کمال ہستی کے جملہ محاسن و کمالات کی کی جاتی ہے، خواہ اُس سے تعریف کرنے والے کی ذات کو کوئی نفع پہنچ رہا ہو یا نہ پہنچ رہا ہو۔ اس طرح تعریف کا دائرہ شکر سے وسیع تر ہو جاتا ہے اور لفظِ 'حمد' ان دونوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔

'لِلّٰہ' کے آغاز میں لام حرفِ جار ہے اور یہاں اس کے بہت سے معنوں میں سے دو معانی بیک وقت مراد ہیں، ایک[1] استحقاق اور دوسرے[2] ملکیت۔ گویا کُل شکر و سپاس اور ثناء و تعریف کا مستحق بھی اللہ ہی ہے اور فی الواقع بھی یہ سب اُسی کی ہیں، خواہ کوئی مانے خواہ نہ مانے، اور خواہ کسی کو اس حقیقت کا ادراک و شعور حاصل ہو، خواہ وہ اپنی جہالت کے باعث اس سے محروم و محجوب رہے۔ گو کُل شکر و تعریف "DEJURE" بھی اللہ ہی کے لیے ہے اور "DEFACTO" بھی۔

لفظ 'اللّٰہ' کے بارے میں دو رائیں اہلِ تحقیق کے یہاں پائی جاتی ہیں: ایک[1] یہ کہ یہ اسم جامد ہے اور خالقِ کون و مکان اور مالکِ ارض و سماء کا اسمِ ذات یعنی اسمِ علم ہے ——— اور دوسرے[2] یہ کہ یہ لفظ "اِلٰہ" پر لامِ تعریف داخل کرنے سے بنا ہے، یعنی خاص اِلٰہ ——— یا وہ اِلٰہ جس میں کُل کی کُل اُلوہیت یا الوہیت کی تمام صفات جمع ہو گئی ہیں۔ پھر 'اِلٰہ' کے مادۂ اشتقاق کے اصل لغوی مفہوم کے اعتبار سے 'اِلٰہ' کے معانی کے بارے میں بھی تین آراء پائی جاتی ہیں: ایک[1] وہ ہستی جس کی جانب انسان اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے رجوع کرے دوسرے[2]

وہ ہستی جس کی کُنہ ذات ہی نہیں صفات کی کیفیت و کمیت کے بارے میں بھی انسان کو صرف حیرت و استعجاب کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہو سکے۔ اور تیسرے یہ کہ وہ ذات جس سے انسان والہانہ محبّت کرے۔ اور عجب حُسنِ اتفاق ہے کہ ذات باری تعالیٰ سے مختلف لوگوں کا تعلق اپنی اپنی افتادِ طبع اور شعور کی سطح کی مناسبت سے اسی طور سے مختلف ہے۔ چنانچہ عوام النّاس کے لیے اللہ وہ ہستی ہے جس کی جانب وہ حاجت روائی و مُشکل کشائی کے لیے رجوع کرتے ہیں۔ جبکہ اہلِ فلسفہ و اربابِ دانش کے نزدیک اللہ وہ ہستی ہے جس کی ذات وصفات کے باب میں سوائے تحیّر کے انسان کے ہاتھ اور کچھ نہیں آیا۔ اور اربابِ صفا اور اصحابِ قلب کے نزدیک اللہ ہی محبوبِ حقیقی بھی ہے اور مطلوبِ اصلی بھی! ـــــ اور واقعہ یہ ہے کہ معرفتِ الٰہی کا صحیح حظ صرف ان ہی کو حاصل ہوتا ہے جو اپنے اپنے ظرفِ دل و دماغ کے مطابق ایمان باللہ کے ضمن میں اِن تینوں نسبتوں کو جمع کرلیں۔

لفظ 'ربّ' کا اصل مفہوم مالک کا ہے۔ چنانچہ 'ربّ البیت' گھر کے مالک کو کہتے ہیں۔ البتہ لفظ 'رب' میں ایک ایسے مالک کا تصوّر سامنے آتا ہے جو اپنی ملکیت کو لے کر یونہی نہ بیٹھ رہے بلکہ اس میں کی ہر چیز کو ترقی دے، 'پالے پوسے' پروان چڑھائے اور اس کے وجود میں مضمر استعدادات کو پوری طرح بروئے کار آنے کے مواقع بہم پہنچائے۔ گویا 'ربّ' میں مالک کے ساتھ ساتھ پروردگار اور پالنہار کا اضافی مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔

'عالَمین' جمع ہے 'عالَم' کی۔ اِس کا مادۂ اشتقاق ہے 'علم' ـــــ اسمِ علم کسی شخص یا مقام کا وہ نام ہے جس سے اُس کی پہچان یا علم حاصل ہو جائے۔ اسی طرح سلسلۂ کون ومکاں اور جملہ مخلوقات و موجودات کو لفظِ عالَم سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے مُوجد، مُبدِع، خالق وصانع اور مصوّر و مُدبّر کی پہچان کا ذریعہ ہیں۔ اس لفظ کو عموماً قرآن جمع کی شکل میں لاتا ہے۔ گویا سلسلۂ مخلوقات وموجودات کے مختلف حصّوں یا شعبوں کو مختلف عالَم قرار دے دیا گیا، جیسے عالَمِ جمادات، عالَمِ نباتات، عالَمِ حیوانات، عالَمِ اِنس، عالَمِ جنّ، عالَمِ اجساد، عالَمِ ارواح، عالَمِ دُنیا، عالَمِ برزخ اور عالَمِ آخرت وغیرہ وغیرہ۔ یہاں "العالَمین" پر لامِ تعریف کے اضافے نے پھر استغراق کا مضمون پیدا کر دیا ـــــ یعنی رَبّ تمام جہانوں اور جمیع عالموں کا۔

© rasailojaraid.com

"ربّ العٰلمین" مرکب اضافی ہے اور اس آیۂ مبارکہ میں یہ بطور نعت وصفت آیا ہے اللہ کے لیے۔ گویا "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝" کا پُورا ترجمہ ہوا: "کُل شکر اور تمام تعریف کا مستحق و مالک اللہ ہے جو مالک و پروردگار ہے تمام جہانوں کا!"

جیسے کہ آغاز میں عرض کیا گیا تھا، یہ سادہ سا جُملہ جس عظیم حقیقت کی جانب رہنمائی کر رہا ہے وہ نقطۂ آغاز ہے قرآن حکیم کے فلسفہ وحکمت کا۔ اس لیے کہ اس میں ترجمانی کی گئی ہے ایک سلیم الفطرت اور سلیم العقل انسان کے باطنی احساسات کی۔ اور وہ اس طرح کہ از روئے قرآن انسان کی فطرت کی صحت اور سلامتی کی علامت یہ ہے کہ اس کے قلب میں اپنے مُنعم اور مُحسن کے لیے جذباتِ شکر پیدا ہوں جو شکریے کے الفاظ کا جامہ پہن کر اُس کی زبان پر بھی وارد ہوں اور اس کے پُورے وجود اور طرزِ عمل سے بھی ظاہر ہوں۔ جبکہ عقل کی صحّت وسلامتی کا حاصل یہ ہے کہ انسان اپنے اصل منعم و محسن کو پہچان لے۔ اور یہ جان لے کہ اگرچہ اس کی ربوبیت کا سامان نہایت وسیع وعریض سلسلۂ اسباب کے ذریعے اُس تک پہنچ رہا ہے، لیکن چونکہ اصل مسبّب الاسباب اللہ ہے لہٰذا وہی منعمِ حقیقی اور محسن حقیقی ہے۔ نتیجتاً اُس کا کُل جذبۂ تشکر مرتکز ہو جائے ذاتِ باری تعالیٰ پر ـــــ یہی حقیقت ہے جسے سورۂ لقمان میں یُوں ادا فرمایا: "وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَةَ اَنِ اشْکُرْ لِلّٰہِ ؕ" (اور ہم نے لقمان کو حکمت و دانائی عطا فرمائی کہ شکر اللہ کا!) گویا حکمت و دانائی جو حاصلِ جمع یا حاصلِ ضرب ہے فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم کی، اُس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان اللہ کا شکر ادا کرے۔

جیسے کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے تعریف کا دائرہ شکر سے وسیع تر ہو جاتا ہے اور اللہ کی تعریف عقلِ انسانی کے اس شعور و ادراک کا مظہر ہے کہ جُملہ محاسن اور تمام کمالات کا منبع و سرچشمہ ذاتِ خداوندی ہی ہے ـــــ اور یہی حاصل ہے قرآنِ حکیم کی پہلی سورت یعنی سورۃ الفاتحہ کی پہلی آیت یعنی: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا! وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

بقیہ: حرفِ اوّل

سے مدینہ منوّرہ میں ایک لاکھ سے زیادہ حافظِ قرآن افراد موجود ہیں۔ خدا مولانا مرحوم کی قبر کو نُور سے بھر دے اور جنّت الفردوس میں اعلیٰ مرتبہ سے سرفراز فرمائے۔

منجانب افتخار فریدی"